E-ISSN: 2706-8927
P-ISSN: 2706-8919
www.allstudyjournal.com
IJAAS 2020; 2(3): 623-624
Received: 16-06-2020
Accepted: 11-07-2020

ڈاکٹر رضوان الرحمٰن
سہرسہ بستی علی روڈ
وارڈ، نمبر ۳۱ ,سہرسہ
بہار(انڈیا)

Corresponding Author:
ڈاکٹر رضوان الرحمٰن
سہرسہ بستی علی روڈ
وارڈ، نمبر ۳۱ ,سہرسہ
بہار(انڈیا)

رفعت سروش کی غزل گوئی

ڈاکٹر رضوان الرحمٰن

مقدمہ

اردو غزل گوئی کی تاریخ میں رفعت سروش کو ایک خاص مقام و اہم مرتبہ حاصل ہے۔ انہوں نے اردو کی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ خصوصاً نظم،غزل،رباعی اور قصیدہ و مرثیہ وغیرہ کی صنفیں کے تخلیقی و جمالیاتی تجر بات و مشاہدات کی آئنہ دار ہیں۔بنیادی طور پر نقادوں نے ا ن کی شاعر انہ شخصیت و سیرت کو ایک نظم نگار اور غزل گو کی حیثیت سے زیادہ قابل اعتنا سمجھاہے اس لئے کہ ان کے یہاں نظموں اور غزلوں کا پلہ گراں رہا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ تمام اصناف سخن میں ان کا جمالیاتی مرتبہ کم اہمیت کا حامل ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مذکورہ تمام صنفوں میں ان کا تخلیقی ذہن انفرادیت کے ساتھ ترسیل کی منزلوں سے گذرا ہے۔

اردو کے ہر چھو ٹے بڑے شاعر وں کی طرح رفعت سروش نے بھی اپنی تخلیقی زندگی کا آغاز غزل گوئی سے کیا اور اس صنف سخن میں بے پناہ شہرت و مقبولیت حاصل کی۔ان کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ”وادیٔ غزل“ کے نام سے 1982ء میں شائع ہوا۔جس میں کل ۵ ۷/غزلیں ہیں۔جو 1944ء سے لے کر 1981ء تک کے درمیان لکھی گئیں۔۱۸/ سال بعد دوسرا مجموعہ”شہر غزل“کے نام سے 1998ء میں شائع ہوا۔جس میں ۱۲۱/غزلیں ہیں۔ان ۱۲۱ /غزلوں میں سے ۵۹/ غزلیں پرانی ہیں۔اور بقیہ ۷۲/غزلیں نئی ہیں۔اس طر ح رفعت سروش کے اور بھی دوسرے مجموعے ہیں۔ جن میں ان کی غزلیں ملتی ہیں۔غرض کہ رفعت سروش کے ان تمام مذکورہ مجموعوں میں ان کی غزلوں کی جو تعداد ملتی ہے وہ صرف ۳۰۲/ہیں۔اس حساب سے رفعت سروش نے اپنے پچپن سالہ تخلیقی سفر میں صرف ۳۰۲/ غزلیں کہیں ہیں۔جو قارئین کو تھوڑی دیر کیلئے حیرت و استعجاب کے گہرے احساسات سے دو چار کرتی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے غزل کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے انہوں نے غزل کو بھی ایک نئے رنگ و آہنگ سے آشنا کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ رفعت سروش اردو غزل کی ایک معتبر اور غیر فانی آواز کی علامت ہیں۔عظیم شاعری شاعر کی شخصیت میں عصری حسیت کی ہم آہنگی اور انفرادیت کی سطح پر ایک اجتماعی آواز کی تخلیق ہوتی ہے۔یہی انفرادیت اجتماعیت کی ترجمان ہوتے ہوئے بھی ذات کا بے کراں اظہار ہوتی ہے۔دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہر بڑا فن کاراپنے فن کے رگ و ریشے میں پیوست رہتا ہے۔فن کی رگوں میں دوڑتا ہوا لہو فن کارکی مکمل شخصیت ہو تا ہے۔جس میں اس کی انفرادیت کی وہ لئے شامل ہوتی ہے۔جو اجتماعیت کی آغوش میں پرورش پاتی ہے اس کو اسلوب کا انفرادی لہجہ کہا جاتا ہے۔اسلوب اور لہجے میں بڑا گہرا معنوی اور اصطلاحی فرق ہے اسلوب کی اصطلاح نظم اور نژ دونوں کیلئے ہوتی ہے۔لیکن لہجہ صرف شاعری کیلئے اور آہنگ نثر کیلئے مخصوص اصطلاحیں ہیں۔ اس لئے لہجے کو شعری اسلوب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔شعری اسلوب کی ترکیب لہجے اور اسلوب کے اسی فرق کی تعبیر ہے۔

لیکن منفرد اسلوب کا حصول بھی ایک بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔معتبر جمالیاتی شعور رکھنے والا شاعر اپنی مشق و ریاضت کے ذریعے اپنے مخصوص اسلوب کی تکمیل میں کامیابی کا امکان رکھتا ہے لیکن یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اسکی آواز یا اس کا لہجہ منفرد و یگانہ ہو۔اس لئے کہ لہجہ اپنی شخصیت کی مکمل با زیافت حاصل ہے۔اوریہیں پر شاعر اپنی شخصیت کا خالق بنتا ہے اسلئے لہجے کی تخلیق اپنی ذات کی تخلیق سے عبارت ہے۔

رفعت سروش کی عظمت اور بلندی ان کے منفرد اسلوب سے ماور ا ان کے مخصوص لہجے کی تشکیل میں مضمر ہے۔ اسلئے رفعت سروش کی غزلوں کو سمجھنے کے لئے ان کی اپنی

کا حسین مرقع ہے۔ان کے یہاں زندگی کے مختلف اور گوناگوں تجر بات ہیں۔ان کے یہاں عام انسانی زندگی کے مسائل ہیں انہوں نے اپنی زندگی کی راہ میں جن دشواریوں کا سامنا کیا ہے اور جس صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا ہے ذیل کے اشعار سے اس حقیقت کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔

؎ وہ دوپہر کہ قیامت کی دھوپ شرمائے
مرے وجود کے صحرا میں کوئی صبح نہ شام
؎ شب کے سناٹے میں ڈوبی ہوئی آواز ہوں میں
اس اندھیرے کے سمندر سے نکالو مجھ کو
؎ ہم سفر پہ نکلے تھے لوٹ کر جو گھر آئے
جنگلوں کے سناٹے اپنے منتظر پائے
اپنے دل تباہ کا مجھ کو نہ کچھ ملال تھا
ترے خیال نے مگر رات رُلا رُلا دیا

لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کے حصار میں گم ہیں۔ وہ ایک حساس انسان تھے دردمند دل رکھتے تھے،سماج کا ایک حصہ تھے،یہی وجہ ہے کہ انہونے اپنے ماحول اور اپنے عہدو معاشرے سے جو کچھ اخذکیا ہے اسے اپنی داخلیت میں سمیٹ کر اور اپنی تخلیقی قوت کی مدد سے اس طرح نمایاں کیا ہے کہ ان کی ذات کہ اندر کی تبدیلی باہر کی فضا سے ہم آہنگ ہو گئی ہے۔انہوں نے ذات کے غم کو کائنات کا غم نہیں بنایا بلکہ کائنات کو ہی اپنی ذات کے اندر سمیٹ لیا ہے ؎

؎ پی لیا تھا درد نے اک اک لہو کی بوند کو
ساری دنیا چشم حیراں تھی مگر دفتر کے لوگ

؎ تم آؤ کہ یہ پہاڑ سی رات
کاٹے نہیں کٹتی ہے اکیلے
؎ تم نے بعد موت کے دل کا حال پوچھا ہے
کروٹیں بدلتا ہے غم کی سیج پر تنہا
؎ اے سروش مت پوچھو میری کیا حقیقت ہے
زندگی کے صحرا میں درد کا شجر تنہا
؎ دل سے آہ نکلی تھی آنکھ ہوگئی پر نم
جانے اب کہاں تک یہ غم کا سلسلہ جائے

تنگیء اوقات کے سبب مزید تفصیلی تجزے کی گنجائش نہیں لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ رفعت سروش اردو غزل کی تاریخ میں ایک اہم مقام پر فائز ہیں۔ جب بھی اردو غزل کی کوئی تاریخ لکھی جائے گی ان کو فراموش کرکے آگے کا سفر طے نہیں کیا جا سکتا۔

شخصیت کے داخلی ارتقا کی آگہی نا گزیر ہے داخلی ارتقا خلا کا مر ہون منت نہیں ہوتا بلکہ فن کار کی انفرادیت اجتماعیت کے دائرہ عمل ہی میں رتقائی مراحل طے کرتی ہے اسلئے انفرادیت محض انفرادیت نہیں ہوتی بلکہ اجتما عیت کی آغوش میں پرورش پاتی ہے۔فرد کے داخلی ارتقاء میں اس کا ماحول،اس کی وراثت اور اس کے عصری اقدار و معیار کا ر فرما ہوتے ہیں۔ان ہی ابعاد ثلاثہ کی ہم آہنگی سے شاعر کی شخصیت و سیرت ابھرتی ہے۔رفعت سروش کا بچپن انتہائی غربت و افلاس میں گذرا۔ماں چکی پیستی تھیں والد حافظ سید محمد علی ایک مسجد میں پیش امام تھے۔تنخواہ کم تھی اور وسائل بھی محدود تھے۔نقوش رفتہ‘اور پتہ پتہ بوٹا بوٹا‘ وغیرہ کے اوراق شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی کس طرح گذاری۔انہوں نے
کچھ اس طرح کھینچا ہے ؎

کچھ الجھی الجھی تحریریں کچھ دھندلی دھندلی تصویریں
پھر ذہن کے آئینے خانے میں جاگی ہیں کتنی تصویریں
کچے گھر کے دیوارو در آغوش مادر کی صورت
اک طاق میں مٹی کا دیپک خاموش محبت کی مورت
رقصاں ہیں دھوئیں کے مرغولے بو جھل نمناک فضاؤں میں
گیہوں کی روٹی کی خوشبو پر تول رہی ہے ہواؤں میں
وہ آخر شب کا سناٹا وہ چکی کا شیریں نغمہ
لہراتا ہوا تاریکی میں وہ ماں کی مشقت کا سایہ
نفرت اور طنز کے تیروں کی بارش اور اک ننھا بچہ
بچے کا دل نازک شیشہ بچہ الفت کا سر چشمہ
سہمے سہمے بچپن کے دن راتیں ویران جوانی کی
پھر جڑ تی جاتی ہیں جیسے کڑیاں بے ربط کہانی کی
نظم ”میرا آئینہ خانہ“

پھونس اور چھپر کا گھر،مٹی کے درو دیوار،طاق میں جلتا مٹی کا دیا،اڑتے ہوئے دھوئیں کے مرغولے،گیہوں کی روٹی کی خوشبو،چکی کا شیریں نغمہ،ماں کی مشقت،نفرت اور طنز کے تیر،شیشے جیسا نازک دل،سہما سہما بچپن،ویران جوانی وغیرہ استعارے ان کی ذاتی زندگی کے غم اور محرومی کو اجاگر کرتے ہیں۔یہی محرومی ا ن کے یہاں جذباتی اضطراب میں بدل جاتی ہے۔رفعت سروش کے تغزل کے پس پردہ یہی وہ احساس ہے جو ان کے غزلیہ مزاج کا ایک ناگزیر حصہ بن کر نمایاں ہوا ہے۔غربت و افلاس میں یوں بھی بڑی کشش اور قوت ہوتی ہے خاص کر اس وقت اس کی آب و تاب اور بھی بڑھ جاتی ہے جب آدمی آدمی سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔رشتے ناطے سب جھوٹے اور بے معنیٰ لگنے لگتے ہیں۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

؎ توڑ دے یہ رشتے ناطے سارے بندھن جھوٹے ہیں
جیون کے اس بگیا میں سب کاغذ کے گل بوٹے ہیں
؎ اپنے گھر اپنی دھرتی کی آس لئے بو باس لئے
جنگل جنگل گھوم رہا ہو ں جنم جنم کی پیاس لئے
؎ یہ زندگی کا دشت یہ محرومیوں کی دھوپ
بیٹھیں کہاں کہ سایہء دیوار بھی نہیں

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رفعت سروش خالص جذبات و احساسات کے شاعر ہیں اور ان کی شاعری ان کی قلبی کیفیات